موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب

از قلم مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور
——— رفیقِ اعزازی الحق ———

(۲)

اس لئے علمی محاذ پر سب سے پہلی ضرورت ان مفروضہ علمی حقائق و یقینیات کا تجزیہ ہی بتایا جائے کہ ان علوم کا اکثر حصہ محض ظن و تخمین، قیاسات اور اوہام پر مبنی ہے۔ اور علوم انسانی کا وہ حصہ جسے تاریخی تواتر اور متوارث تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یقینیات کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ بھی ہر آن تغیر و تبدل کا محل، اونچا اور اشیاء کی اصل حقیقت جاننے سے قاصر ہے۔ (خواص اشیاء کا جاننا اور بات ہے اور حقیقت اشیاء کا جاننا اور) اس بنا پر ایمانی حقائق اور دینی مسلمات کا مدار ان ظنوں و قیاسات پر نہیں رکھا جا سکتا، ضرورت ہے کہ الٰہی علم کے محکم، یقینی لامحدود اور پائیدار ہونے کو ثابت کیا جائے، اور انسانی علوم پر اسکی فوقیت جتائی جائے، اور ان علوم کے اس حصہ کی تنقید و ابطال کیا جائے۔ جو الٰہی یقینی علوم سے ٹکراتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کہ انسانی ظنی علوم کے صرف اسی حصہ کی نشاندہی اور رد ضروری ہے۔ جو دینی حقائق سے ٹکراتا ہو، ورنہ جو حصہ دین سے نفیاً یا اثباتاً مخالف نہیں۔ اس کے درپے ہونا سعی لاحاصل ہے۔ غرض ایک طرف انسانی علوم کے ارتقاء کی تاریخ، ان کا تجزیہ ان کا ظنی ہونا اور الٰہیات کے بارے میں اس کی نارسائی اور بیچارگی اور انسانی مسائل کے حل کرنے میں اس کی ناکامی کو واضح کیا جائے۔ تو دوسری طرف الٰہی علوم کی حقیقت و اہمیت، انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس کی ضرورت اس کا یقینی اور غیر متبدل ہونا اور انسانی مسائل کا صحیح و دائمی حل انہیں سے ثابت کیا جائے، الٰہیات کے بارے میں عصر نو کی بے بصری انسانی کمالات و جواہر اصلیہ کی ناشناسی اور اس کے ضیاع کی کوششوں کی نشاندہی کی جائے اور یہ بات واضح کر دی جائے کہ صنعتِ اشیاء کا اپنا میدان ہے، اور انسانی جواہرات کے چمکنے کا دوسرا محل ہے۔ آج مادہ و اشیاء بن رہی ہیں۔ اور انسان انسان کی حیثیت سے مٹتا چلا جا رہا ہے۔ انسان کائنات کے ظواہر

کی تسخیر میں کسی مقام پر پہنچ جائے، اس کا علم الٰہیات کے حقائق اور سچائیوں کے جاننے سے قاصر رہے گا، کہ یہ علوم وحقائق حریم نبوت کے دائرے وحدود سے باہر کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ جیسے بصارت سے محروم شخص کسی چیز کی رویت سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح نبوی بصیرت ہی پر الٰہیات کا باب کھولا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں جسے ملتا ہے، انہیں کے واسطے ملتا ہے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ موجودہ علوم وفنون کی تابانی کی بنا پر نبوی علوم کا انکار، الٰہی حقائق کا ابطال، عقائد دینیہ کا رد۔ ناواقفیت، جہالت، تقبیح ناشناس اور خود اس علم کا بے محل استعمال، ناانصافی اور ظلم و زیادتی ہے۔ ان علوم کا دائرہ الٰہی اور دینی علوم سے جداگانہ و علیحدہ ہے۔ کہ اگر ان انسانی علوم کی رسائی الٰہی حقائق، غیبی و روحانی رموز و دقائق، دینی صداقتوں اور نبوی علوم تک کسی صورت میں بھی ہوسکتی اور انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور الٰہیات کے دیگر مسائل اس کی عقلی وتجرباتی قیاسی اور ظنی کوششوں سے کھل سکتے تو انبیاء کی بعثت کی قطعاً ضرورت نہ تھی، نبوت موہبت و اجتباء ہے۔ کسب وتجربہ عقل وظن کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس لئے دنیاوی علم وفہم "تجربہ وعقل" کے آسمانوں پر اڑنے والے اور سورج اور چاند پر رسائی پانے والے اذہان "الٰہیات کی دنیا" اور معرفت وعرفان کے عالم میں اندھے اور بہرے ہوجاتے ہیں، یہی وہ حقیقت ہے۔ جسے نہ سمجھنے کی بنا پر ہمارا ایک اچھا خاصہ طبقہ دینی حقائق اور الٰہی صداقتوں کے بارے میں مذبذب اور شک وریب میں مبتلا ہوگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ طبیعات و الٰہیات کے دوائر اور انسانی اور نبوی علوم کی حدود کو متعین کیا جائے، آج بھی موجودہ علوم و سائنس کے ماہرین کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا وہ قول صادق آتا ہے۔ جو قدیم طبیعین و فلاسفہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا:

نعم لهم في الطبيعيات كلام غالبه
جيد وهو كلام كثير واسع - ولهم
عقول عرفوا بها ذلك وهم قد
يقصدون الحق لا يظهر عليهم
العناد ولكنهم جهال بـ "العلم
الالهي" الى الغاية ليس عندهم
الا قليل كثير الخطاء
(کتاب الرد علی المنطقیین ص۱۴۳ ابن تیمیہؒ)

فلاسفہ وطبعین کا طبیعات کے بارے میں
جو کلام ہے اس کا غالب حصہ عمدہ ہے۔
اور یہ کلام کثیر و وسیع ہے۔ ان کی عقلوں
نے ان علوم کو جانا ہے۔ اور وہ اس بارے
میں حق کا قصد کرنے والے ہیں۔ اور عناد
ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن علم الٰہی کے بارے
میں غایت درجہ جاہل ہیں۔ اور ان کے
پاس علوم الٰہیہ کا بہت ہی قلیل اغلاط سے بھرپور حصہ ہو۔

دانش حاضرہ کے فریب نے دین وایمان کے نور کو جس طرح سلب یا مضمحل کر دیا ہے۔ اس کے علاج و مداوا کے لئے سب سے اہم واقدم ضرورت ایمانیات کی تجدید و رسوخ کی ہے۔ ایمان ویقین کی ضرورت واہمیت، اس کی قیمت ووقعت، اس کی حقیقت وافادیت، اس کے حصول کے طرق وذرائع کی تعین وترتیب کو نئے طرز سے واضح ومبرہن کرنا ہے۔ قرآن کریم واحادیث نبویہ کے ان گوشوں کو سامنے لانا ہے۔ جو تجدید ایمان کی اس کوشش میں عصر حاضر کے لئے ضروری ولابدی ہیں۔

تجدید ایمان ویقین کی اس کوشش میں جتنا بھی سنجیدہ اور معیاری لٹریچر انگریزی، عربی، اردو وغیرہ میں مرتب کیا جائے، اور جدید طبقہ میں پھیلایا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نفع سے خالی نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ذہنی سطح کے مختلف مدارج اور دین وایمان کے تقادت اور الحاد وارتیاب کی متفرق منازل اور دگر معلوم وجوہ کی بنا پر اس قسم کی کتابوں میں کم وکیف، مغز وپوست کے لئے ہر لحاظ سے تنوع لازمی ہے۔ تاہم ایک بات سب میں مشترک ہونی چاہیئے۔ وہ ایمان ویقین کا احیاء، حقائق دینیہ، مغیبات اور اسلام کے ابدی ہونے پر غیر متزلزل عقیدہ کا پیدا کرنا ہے۔ یہ کتب ذات باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے اثبات اور اسلامی نظریہ توحید ورسالت، امت کی بعثت کی اہمیت سے لے کر معاد، حیات بعد الموت ودگر امہات عقائد تک اور آسمانی مذاہب وادیان کی عمومی ضرورت اور ان میں اسلام کی فوقیت سے لیکر وحی ونبوت کی حقیقت وغیرہ صدہا مضامین پر مشتمل ہو سکتی ہیں۔ حجم کے لحاظ سے بھی بڑی چھوٹی اور منجولی کتابوں میں ان حقائق کو مختلف صورتوں اور طریقوں سے بیان کیا جائے، کہ حق ویقین کی یہ صدا ہر ایک کان تک پہنچ جائے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ کہ مغرب کی عمومی استیلاء اور معاشی ضروریات نے ان علوم وفنون کا حصول ایک حد تک ناگزیر کر دیا، اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ کس طرح ان علوم کے منفعت والے پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے، اور مفسد اثرات سے بچنے کی کیا کیا صورتیں اختیار کی جائیں۔

خذ ما صفا ودع ما کدر۔ مجھ جیسے ہر مبتدی کا کام نہیں، بلکہ بقول مولانا رومؒ ؎

مرغ پر نا رستہ چوں پراں شود طعمہ ہر گربۂ دراں شود

مزید براں ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ آج صرف طبعی علوم کی مختلف شاخوں یا دگر علوم ہی کو اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ علوم کے حصول سے پیشتر اپنی تہذیب وتمدن، ثقافت وشعائر یہاں تک کہ عبادات واخلاق طرز ماند وبود تک کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔ اسلام

محض عقائد یا چند تعبدی رسوم کا نام نہیں، بلکہ اپنی خاص تہذیب و معاشرت اور طریقۂ حیات بھی رکھتا ہے۔ جو زندگی کے جزو کل پر حاوی ہے، جب معاشرت و تہذیب اخلاق و ثقافت چھوڑ دی جاتی ہے۔ تو اس کے ساتھ زندگی کی بے شمار اسلامی حقیقتیں بھی گم ہو جاتی ہیں، بہرحال ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے امت کو ایک عظیم اور ہمہ جہتی لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔ کہ نئی پود جدید تعلیم یافتہ اور امت کا ذہین گروہ اسلام ہی کی رونق اور قوت کا سبب بنے۔ اور ہمیں یہ نہ کہنا پڑے ؎

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

اس سلسلے میں پہلا قدم اسلامی ممالک میں نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کا ہے۔ ہمارے نظام تعلیم کی خشت اول اور بنیادی نقطۂ امت میں دین کے بقاء دینی زندگی کے احیا اور عالم میں دین کی اشاعت و فروغ ہونا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ دوسرے عمرانی، معاشی اور طبعیاتی علوم اس نہج سے پڑھائے جائیں کہ وہ علوم ہماری اسلامی زندگی پر مضر اثرات نہ ڈال سکیں۔ ہم ان علوم کو اسلام کا خادم اور مسلمانوں کی دنیاوی معیشت کا مددگار سمجھ کر حاصل کریں، نہ کہ وہ ہماری زندگی کا مقصد اور نصب العین اسطرح بن جائیں کہ ان کی غلط طلب میں دین کا چشمۂ حیات ہی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اور ذریعہ کے حصول میں مقصد ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔

اس کے لئے ہمیں ابتدائی جماعتوں سے لیکر بی۔ اے تک اسلامی تعلیم ہر طالب علم کے لئے ایک مضمون کے طور پر لازمی قرار دینی ہوگی، اور محض ضابطہ اور اشک شوئی کے لئے دینیات کا مضمون نہیں پڑھانا ہوگا۔ بلکہ جملہ علوم میں اسے ممتاز اور نمایاں حیثیت دینی ہوگی۔ اسکی اہمیت و فوقیت کو واضح کرنا ہوگا، کہ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا چارہ کار نہیں ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بقرآن زیستن

دینیات کا نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ تمام ضروری اسلامی علوم سے ایک گونہ واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص بعد میں ان علوم کی کسی شاخ میں تکمیل و مہارت حاصل کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکے۔ ذریعہ تعلیم پانچویں تک ملکی زبان ہو، اور اس کے بعد عربی کو اسطرح شریک نصاب کیا جائے کہ فوقانی جماعتوں تک پہنچتے ہوئے عربی زبان میں دینیات کی کتابیں

پڑھی جاسکیں، تفصیلات کا یہ پیغام نہیں۔ ماہرین تعلیم و علماء مناسب نصاب تعلیم، طریق کار اور لائحہ عمل بنا سکتے ہیں، جہاں مسلمان محکوم ہیں، وہاں مساجد و مکاتب کا منظم نظام اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ دوسری اہم بات تربیت ہے۔ صحیح اسلامی تربیت کے فقدان اور اسلامی معاشرہ کے اضمحلال نے امت کے کثیر طبقہ کو دین سے بیگانہ کر دیا ہے۔ تربیت کے لئے صحیح اسلامی ماحول و معاشرہ پیدا کرنا امت کا فریضہ ہے۔ جدید طبقہ کے لئے اس کمی کو دارالاقاموں کے قیام سے ایک حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ جن کالجوں، سکولوں یا یونیورسٹیوں میں اقامتی و رہائشی سہولیات ہیں وہ اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کو اسلامی ذہن و عمل، دین کا درد و فکر رکھنے والے سنجیدہ و متین، شفیق اساتذہ کی نگرانی میں رکھا جائے۔ طلبہ کو ان کی درسی کتابوں کے مطالعہ اور اپنے خاص مضمون کی تیاری کے علاوہ باقی اوقات میں ایسے مشاغل میں مصروف رکھا جائے جو ان کی جسمانی و علمی نشوونما کے ساتھ ان کی روحانی اور اسلامی زندگی بنانے میں ممد و معاون ہوں، طلباء کی دینی تعلیم و تربیت کا کماحقہ بندوبست کیا جائے۔ ان کے افعال و اعمال کی نگہداشت کی جائے، ان میں ہر قدم پر اسلام کی عظمت کا احساس، دینی شعور، دینی دعوت کا قوی داعیہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ کم از کم اسلامی فرائض و واجبات کی پابندی لازمی قرار دی جائے، منہیات و فواحش اور اس کے لوازمات و دواعی کے اشتغال سے روکا جائے۔ اس سلسلہ میں جبر و اکراہ کی بجائے رافت و شفقت، محبت و راحت کی راہ اختیار کی جائے، اور نبوی طرز کے مطابق ترغیب و تشویق سے اعمال دینی کی رغبت پیدا کی جائے۔ اور حکیمانہ ترہیب و تنذیر سے برائیوں کی نفرت پیدا کرائی جائے۔

ان میں امت کے فریضۂ منصبی کی اہمیت اور اس کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے تبلیغ و دعوت کی مجالس اور اس کی عملی مشق کی ہمت افزائی کی جائے۔ ہو سکے تو چھٹیوں کے اوقات میں دینی دعوت کے لئے جماعتیں بنا بنا کر بھیجا جائے۔ (جیسا کہ آجکل سوشل ورک کیلئے طلباء جاتے ہیں۔) اور وہ دین کی ابتدائی اور بنیادی متفق علیہ باتوں ہی کی دعوت دیں۔ اختلافی اور مشکل مسائل کا تذکرہ نہ کریں، دعوت سے ان کی اپنی تربیت بھی ہوگی اور جن دیہات میں جائیں گے، ان کی اصلاح کی بھی انشاء اللہ صورتیں پیدا ہوں گی، اگر امت ان تجاویز کو حکمت و دانائی، ہمت و جرأت، محنت و استقامت سے اپنانے کی کوشش کرے، تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ

کی توفیق و نصرت سے بے دینی و الحاد کے موجودہ سیلاب کو روک دے۔ اور نئی پود الحاد و ارتداد سے بچ سکے، اصحاب فکر و درد اس بارے میں اس سے اچھی تجاویز پیش کر سکتے ہیں مقصود اصلاح ہے، اللہ تعالیٰ امت کی اس فتنۂ عظیم میں مدد فرمائے، اور ہمیں اس سیلاب کے رُخ کو ہدایت کیطرف پھیر دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

یہاں ضمناً ایک دوسرے خطرے کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، مسیحیت دینی حیثیت سے اپنی تمام قوت و کشش و حقانیت کھو چکی ہے لیکن مغربی استعمار و استیلاء کے زیر سایہ آج عیسائی مشنری اسلامی ممالک میں تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے ذریعہ سادہ لوح جاہل مسلمان عوام کو جسطرح بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ایک اندوہناک المیہ اور ملت کی بے حسی کا ثبوت ہے۔ مشنری مفلوک الحال اور مصیبت زدہ طبقات میں اپنی دعوت مالی امداد اور دیگر دنیاوی لالچوں کے ذریعے پھیلاتے ہیں۔ ہیچمداں نے اُردن میں فلسطینی مہاجرین میں اور مشرقی بنگال کے سیلاب زدہ لوگوں میں ان کے انہیں طریقوں کو دیکھا ہے۔ ہسپتالوں میں ان کی ظاہری خوش خلقی اور خدمت کے پیچھے یہی گھناؤنا مقصد کام کر رہا ہوتا ہے۔ مشنری تعلیمی ادارے ہمارے معصوم بچوں کے ذہنوں کو جسطرح مسموم کرتے ہیں اور امت کے اندر "ایک غیر ملکی ذہن" والا طبقہ پیدا کرتے ہیں، کوئی پوشیدہ بات نہیں، ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے۔ کہ اگر وہ اسلامی ممالک کی امداد کرنا چاہتے ہیں تو ہسپتال، تعلیمی ادارے، اور امداد کی دوسری صورتیں وہ ملک کی حکومت کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ ادارے قومی تحویل میں کام کریں اور یہ امداد سرکاری ذرائع سے تقسیم ہو، پھر اگر وہ اپنی دعوت و تبلیغ میں مصروف بھی رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

بقیہ: اسلام متجددین کے نرغے میں کے محدود دائرہ میں اپنی آخری جائے پناہ بنائی یعنی شادی، طلاق، وراثت اور ان سے متعلق مسائل جو کہ مذہبی عدالتوں میں فقہا کے ذریعہ فیصل ہوتے تھے ترکی پہلا ملک تھا جس نے اسطرح کی مذہبی عدالتوں کو ختم کیا۔ مذہبی عدالتوں کے خاتمہ کے ساتھ تعدد ازدواج کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ تیونس کی نئی سلطنت نے حبیب بورقیبہ کی قیادت میں ۱۹۵۶ء میں اس کی پیروی کی۔ مگر رمضان میں مہینہ بھر کے روزہ کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اس کی کوشش ناکام ہو گئی۔ مصر نے ۱۹۵۹ء میں ایک کم تر درجہ کا انقلابی قدم اٹھایا جبکہ اس نے مذہبی عدالتوں کو ختم کر دیا، اور یہ حکم دیا کہ تمام مقدمات عام ملکی عدالتوں میں سول ججوں کے سامنے پیش ہوں گے۔ البتہ ذاتی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ مذہبی قانون کے مطابق کیا جائے گا۔